© rasailojaraid.com

جسٹس ایس۔اے رحمان صاحب

پاکستانی ثقافت کا مسئلہ

اگر ایک دیہاتی گدھے پر سوار گنا چوس رہا ہو تو عام آدمی کے لیے یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہوتی اور وہ بس یہی سمجھتا ہے کہ ایک دیہاتی گدھے پر سوار گنا چوس رہا ہے لیکن ایک ماہر عمرانیات کے نزدیک یہ منظر مقامی ثقافت کی علامت کہا جا سکتا ہے۔ ثقافت کے بارے میں ایک مہذب شہری کا تصور یہ ہوتا ہے کہ تصویروں کی نمائش، موسیقی کی محفل، اور شوقیہ ڈراموں یا مشاعروں جیسی سرگرمیوں کا ثقافت سے گہرا تعلق ہے لیکن کٹر مذہبی خیالات کے لوگ اس قسم کی سرگرمیوں کو حیرت سے دیکھتے اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح ان صلاحیتوں کو لغو طریقے پر ضایع کیا جا رہا ہے جن سے روحانیت کو فروغ دینے کے لیے بہتر طور پر کام لیا جا سکتا تھا۔ اور بعض اوقات تو ہمارے اخبارات بھی ملک کے موجودہ ثقافتی اداروں پر سوقیانہ انداز میں طعنہ زنی کرتے ہیں۔ اس طرزِ عمل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ثقافت کا مفہوم سمجھنے میں عام طور پر بڑی غلط فہمی پائی جاتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ "ثقافت" ادب اور آرٹ سے تعلق رکھنے والی ان سرگرمیوں تک ہی محدود نہیں جن سے ہمارے خوش حال طبقوں کے لوگ لطف اندوز ہوتے ہیں بلکہ ثقافت سے ہماری مراد یہ ہے کہ یہ ان لوگوں کی پوری زندگی کا ایک بہترین نمونہ پیش کرتی ہے جو ایک قوم کی حیثیت سے مل جل کر رہتے سہتے ہیں۔ اور جن کو معاشرے میں سرایت کر جانے والا ایک ایسا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمہ گیر نقطۂ نظر باہم متحد کر دیتا ہے جسے یہ لوگ شعوری طور پر اپناتے یا خاموشی سے قبول کر لیتے ہیں۔ ثقافت کے اس مفہوم میں ان لوگوں کی تمام مخصوص سرگرمیاں اور دلچسپیاں، ان کے رسوم و رواج، ان کا مذہب اور ان کے معاشرتی اور سیاسی ادارے سب ہی شامل ہیں۔ ان کے فنون و ہنر اور ان کی ذہنی تخلیقات ان کی ثقافت کے صرف جزوی مظاہرات ہوتے ہیں۔ اور اس کا دائرۂ عمل کسی طرح بھی صرف ان مظاہرات تک محدود نہیں ہوتا۔ پلاؤ، کباب، اچکن اور جناح کیپ، یا صوفے اور کرسیاں، ریڈیو سیٹ اور ٹرانزسسٹر ہماری موجودہ ثقافت کے ایسے ہی اجزا ہیں جیسے کہ مشاعرے، یا ہماری مسجدوں اور مقبروں کا طرزِ تعمیر۔ مختصر یہ کہ ثقافت ایک ایسی اصطلاح ہے جو ایک قوم کے پورے طرزِ زندگی کی نمائندگی کرتی ہے اور جس میں اس کے خارجی مظاہرات بھی شامل ہوتے ہیں اور نفسی کیفیات بھی۔ ظاہر ہے کہ جو تصوّر اس قدر جامع اور وسیع ہو اس کو قوم کے مذہبی عقائد سے کسی طرح بھی علاحدہ نہیں کیا جا سکتا اور جیسا کہ ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ نے کہا ہے: "کسی قوم کی ثقافت بنیادی طور پر اس کے مذہب کی تجسیم ہوتی ہے۔"

پاکستان ایک نظریاتی مملکت کی حیثیت سے وجود میں آیا ہے اور زندگی کی اسلامی قدروں کو علانیہ طور پر اس مملکت کی اساس قرار دیا گیا ہے۔ دو قومی نظریہ جس کی بنیاد پر ہندوستان کو تقسیم کر کے بھارت اور پاکستان کی دو آزاد مملکتیں قائم کی گئیں، اس دعوے کے ساتھ پیش کیا گیا تھا کہ ہندوستان میں رہنے والے مسلمان اس ملک کی ہندو اکثریت سے بالکل مختلف ایک جُداگانہ قوم ہیں اور ان کی اپنی مخصوص ثقافت ہے۔ چنانچہ ان کا یہ مطالبہ کہ مسلمانوں کا ایک وطن ہو جہاں وہ اپنی تہذیب و ثقافت کی حفاظت کر سکیں اور اس کو ترقی دے سکیں، ہر طرح سے حق بجانب قرار پایا۔ پاکستان کے دونوں حصّوں کو جن کے درمیان ایک ہزار میل وسیع بھارتی علاقہ حائل ہے اور زبان کے اختلاف نے بھی ایک رکاوٹ پیدا کر دی ہے، ایک مشترک معاشی و سیاسی وحدت بنانے والا اہم ترین عنصر مذہبی رشتہ ہے۔ اسلام کی بدولت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ ایسا اتحاد قائم ہوا ہے جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس میں شک نہیں کہ معاشی اور سیاسی عوامل سے بھی پاکستان کی تحریک کو تقویت حاصل ہوئی، لیکن اس حیرت انگیز واقعہ کی محض مادّی تاویلیں کرنا حقایق کو مسخ کر دینے کے مترادف ہوگا۔ تحریکِ پاکستان کے رہنماؤں نے ہندوستان کے مسلم عوام کے مطالبات کو مذہبی رنگ دے کر درحقیقت ان کے دلی جذبات کی صحیح ترجمانی کی ہے۔

اس تاریخی پس منظر کو ملحوظ رکھتے ہوئے پاکستانی ثقافت کو لازمی طور پر اسلامی نظریات کی پابند ہونا چاہیئے۔ ایک ملک میں ذیلی ثقافتیں بھی یقیناً ہوسکتی ہیں، خواہ وہ علاقائی ثقافت ہوں یا فرقہ داری۔ پاکستان میں ہندو، عیسائی، بدھی اور پارسی اقلیتیں بھی آباد ہیں جن کو اپنی ثقافت پر عمل پیرا ہونے کی آزادی ہونی چاہیے بشرطیکہ ان فرقوں کی ثقافتی سرگرمیاں ایسا انداز اختیار نہ کریں جو قومی مفاد کے لیے نقصان رساں ہو۔ اسلامی نظامِ فکر اس قدر روادار ہے کہ وہ اپنی کلّی تنظیم میں بے ضرر طبقہ واریت کو جائز رکھتا ہے۔

بعض اوقات یہ سوال زیرِ بحث آتا ہے کہ آیا ٹیکسیلا، ہڑپہ، اور موئن جو دڑو کے فنی آثار کو پاکستانی ثقافت کا جزوِ ترکیبی سمجھا جائے یا نہیں۔ بلاشبہ یہ ہمارے علاقائی ورثہ میں شامل ہیں۔ اور اس طرح یہ ہمارے ملک کی ثقافتی تاریخ کا حصّہ ہیں۔ چنانچہ ان کے مطالعے اور قدرشناسی کو ہماری علمی مساعی کے دائرے سے خارج نہیں کیا جاسکتا، لیکن یہ آثار چونکہ بالکل مختلف مذہبی اقدار کے مظہر ہیں اس لیے یہ ہماری موجودہ پاکستانی ثقافت کا حصّہ نہیں بن سکتے۔ ہماری یہ ثقافت زندگی کے بارے میں اسلام کے توحید پرست، اوہام شکن، مساوات پسند اور حیات افروز تصورات سے فیض یاب ہوئی ہے۔ پاکستان ایک وسیع ملک ہے اور یہاں علاقائی یا ذیلی ثقافتوں کو بھی ترقی کرنے کا موقع دینا چاہیے لیکن ان حدبندیوں کو پوری طرح ملحوظ رکھتے ہوئے جو سارے ملک کا برتر و اعلیٰ ثقافتی نظام ان پر عائد کردے۔ ذیلی علاقائی ثقافتیں اور بالادست پاکستانی ثقافت دونوں آپس میں کچھ ایسی چیزیں لے اور دے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سکتی ہیں جو دونوں کے لیے مفید ہوں اور اس گوناگونی میں بھی اتحاد و ہم آہنگی پیدا کرنے کا بنیادی تصور ہمیشہ پیش نظر رکھا جاتے ۔ علاقائی اختلافات صرف اسی مفہوم میں باقی رکھے جا سکتے ہیں جس مفہوم میں قرآن پاک نے نوعِ انسانی کے شعوب وقبائل کو تسلیم کیا ہے ۔ یعنی محض تعارف یا شناخت کے لیے ۔

ایک ہی ملک میں ثقافت کے مختلف مدارج بھی ہو سکتے ہیں ۔ انفرادی بھی اور طبقہ واری بھی ۔ ثقافت کے کچھ عناصر سے بعض طبقے اور افراد شعوری طور پر وابستہ ہوتے ہیں اور کچھ ان کو وہ غیر شعوری طور پر قبول کر لیتے ہیں ۔ ہم اپنی معاشری و سیاسی نشوونما کے لیے ایک ارتقائی اور تشکیلی دور سے گذر رہے ہیں ۔ اور ہمارے درمیان اس بارے میں کسی قدر الجھن پیدا ہو جانا لازمی بات ہے کہ ہمارے پاس کیا ہے ، کیا ہونا چاہیے اور ہم کیا حاصل کرنے کے آرزومند ہیں ۔ موجودہ زمانے میں کوئی قوم ساری دنیا سے الگ تھلگ نہیں رہ سکتی ۔ سائنس کی ترقی نے وقت اور فاصلے کی حدبندیاں اس طرح مٹادی ہیں کہ ساری دنیا کے ملک روز بروز قریب تر ہوتے جا رہے ہیں ۔ اور مختلف قوموں کے درمیان معاشری روابط میں جوں جوں اضافہ ہوتا ہے اسی قدر ان کی ثقافتیں ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتی ہیں اور ان میں باہمی لین دین شروع ہو جاتا ہے ۔ ہمارے ملک میں بھی مغربی ثقافت کے اثرات کافی حد تک اس انحرافی کیفیت کے ذمہ دار ہیں جو ہماری نوجوان نسل میں خاص طور پر پیدا ہو گئی ہے ۔ سینما ، ریڈیو ، رسائل اور بے اطمینانی پیدا کرنے والے فکری مسلکوں نے جو مغرب میں پروان چڑھے ہیں ، کچھ ایسے رجحانات پیدا کر دیے ہیں جن کی بدولت ہمارے بعض مرد اور عورتیں اپنے مرکز سے جدا ہو کر محور سے دور جا پڑے ہیں ۔ چنانچہ ایک مرتبہ یہ خبر آئی تھی کہ نوجوان پاکستانی لڑکیاں جن پر جنون جیسی کیفیت طاری تھی ، ایک غول کی شکل میں رات کے دو تین بجے کراچی ایرپورٹ میں گھس گئیں اور انھوں نے نہایت تکلیف دہ شور و غل مچا کے بیٹلز نامی انگریز گویوں کی ٹولی کا خیر مقدم کیا ۔ باہر سے آئے ہوئے راک اینڈ رول ، چا ۔ چا ۔ چا ، ہیجان انگریز موسیقی ، ٹیڈی ازم اور زنانہ لباس کے بے تکے فیشن جن سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تن پوشی سے زیادہ عریانی مقصود ہوتی ہے اور ناچ گھر میں رقص، یہ سب ایسی چیزیں ہیں جو ہمارے ثقافتی ماحول سے کسی طرح بھی ہم آہنگ نہیں ہوسکتیں۔ ادب اور فنی میدان میں چاپلوس نقالوں کی وجہ سے نگارش کے ایسے اسلوب پیدا ہو گئے ہیں جو ایک معقولیت پسند پاکستانی کی نظر میں کوئی وقعت نہیں رکھتے۔ ایسے حالات میں پاکستانی ثقافت کے سربرآوردہ حامیوں کا یہ فرض ہے کہ وہ ہمارے معاشری و ثقافتی نظام میں اس بے ڈھنگے پن کا تدارک کرنے کے لیے مؤثر تحریکیں چلائیں اور خود اپنی ثقافت کے سرچشموں سے وابستگی پر زور دیں ہم میں اتنا سمجھنے کی تو صلاحیت ہونی چاہیے کہ مغرب سے جو چیزیں درآمد کی گئی ہیں ان میں سے کیا چیزیں ہمارے لیے موزوں اور مفید ہیں اور کونسی چیزیں ہمارے بہترین مفاد کے لیے نقصان رساں ہیں۔

یہاں ایک امکانی غلط فہمی دُور کرنے کے لیے مَیں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ مَیں کسی عہدِ رفتہ کے ایسے معاشری نمونوں کو ہو بہو واپس لانے کی تلقین نہیں کر رہا ہوں جن میں موجودہ زمانے کے لوگوں کے لیے کوئی کشش اور دلچسپی باقی نہیں رہی۔ بنیادی اصولوں اور کسی ثقافت کی بدلتی ہوئی وقتی ضرورتوں میں امتیاز کرنا بہرحال ضروری ہے۔ ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم اسلام کی بنیادی قدروں پر مضبوطی سے قائم رہیں جو موجودہ برقیاتی دَور میں بھی ترقی کی منزلیں منظم طور پر طے کرنے میں کسی طرح مزاحم نہیں۔ ہم مختصر الفاظ میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی اقدار عالمگیر انسانی اقدار ہیں۔ اور ان کی یہ امتیازی خصوصیت ہے کہ وہ ان نزاعی مسائل کا جن کی وجہ سے دنیا آج دو مخالف کیمپوں میں بٹی ہوئی ہے ایک موزوں حل نکال سکتی ہیں۔ اسلامی تعلیمات جغرافیائی، نسلی، لسانی اور رنگتی حد بندیوں کو توڑ دیتی اور عوامی فلاح و بہبود کے لیے دولت کو ایک امانت قرار دے کر منعموں کو اس کا امین بناتی ہیں۔ جہاں تک کہ عقائد کا تعلق ہے اسلامی افکار میں ایسی باتیں مشکل سے ملیں گی جن کو موجودہ زمانے کے انتہائی ترقی پسند مفکر بھی ناقابلِ قبول کہہ سکیں۔ اسلام کا یہ دعویٰ ہے کہ اس نے ایک ایسا نظام پیش کیا ہے جو دنیا کے ہر حصے اور ہر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زمانے کے لوگوں کے لئے کارآمد ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نظام میں اتنی لچک موجود ہے جو ہر عہد میں لوگوں کی بدلتی ہوئی ضروریات کو پورا کرسکے۔ اسلام کے بنیادی اصول قرآن پاک میں بیان فرما دیئے گئے ہیں۔ اور ان اصولوں کو بدلے ہوئے حالات پر منطبق کرنے کا ذریعہ اجتہاد ہے۔ اسلام زندگی کے حقائق کی تصدیق کرتا ہے اور انسان کو یہ ترغیب دیتا ہے کہ وہ فطرت کو مسخر کرے جسے قرآن نے انسان کی خدمت گذار قرار دیا ہے۔ درحقیقت یہ ایک ایسا مجموعۂ اقدار ہے جو ثقافت کے اعلیٰ ترین مقاصد کی تکمیل کرسکتا ہے۔ اگر اسلام کی حقیقی روح کو کوتاہ بیں مُلّائیت کی جکڑ بندیوں سے آزاد کرکے فریقین کے سامنے پیش کیا جائے تو وہ تفرقہ جو آج کل پرانے تقلید پسندوں اور نئے دَور کے ترقی پسندوں کے درمیان موجود ہے ناقابلِ التفات حد تک کم ہوجائے گا۔ یہی وہ مقصد ہے جس کے پیشِ نظر ادارہ ثقافتِ اسلامیہ جیسے اداروں کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

ہم اپنی عائلی زندگی کے اصول و قوانین کے لیے اسلام کے رہینِ منت ہیں اور معاشرتی عدل اور انفرادی و اجتماعی اخلاق کے نظریئے بھی ہم کو اسلام ہی نے عطا کیے ہیں۔ لادینیت کے حامی، جن کی تعداد خوش قسمتی سے ہمارے ملک میں بالکل ہی ناقابلِ توجہ ہے، یہ کہتے ہیں کہ قومی معاملات کو مذہب سے یکسر خارج کردیا جائے لیکن ان کا یہ مطالبہ ایک ایسا کھوکھلا نعرہ ہے جو پاکستان جیسے ملک میں کبھی مقبول نہیں ہوسکتا۔

اگر ہمارے پورے ملک کی زبان ایک ہی ہوتی تو ایک مؤثر اور جاندار پاکستانی ثقافت کی تشکیل میں بہت مدد ملتی لیکن موجودہ حالات میں تو یہ ایک نصب العین ہی رہے گا جس کو ہمیں حاصل کرنا ہوگا۔ سرِدست ہم کو تسلیم کرلینا ہے کہ حکومت نے دو سرکاری زبانیں قرار دی ہیں مشرقی پاکستان کے لیے بنگالی اور مغربی پاکستان کے لیے اُردو۔ اب اگر ملک کے دونوں حصوں کے اربابِ فکر ایک مشترک رسم الخط اختیار کرنے پر متفق ہوجائیں (اور یہ صرف عربی رسم الخط ہی ہوسکتا ہے جس سے بہرحال ہر مسلمان کو واقف ہونا چاہیے اور جو ہمارے اتحاد کی علامت بن سکتا ہے) تو ان کا یہ اقدام ایسی فضا پیدا کرنے میں بہت ممد و معاون ہوگا جس میں علاقائی زبانوں سے جذباتی لگاؤ یا سوچنے کے مختلف انداز ایک ملک گیر ثقافت کی تشکیل و تکمیل میں مانع نہیں ہو سکے گا۔

© rasailojaraid.com